اخلاقی اور روادار معاشرے کے قیام میں صوفیاء کا کردار

The Role of Sofiy'ā in the Establishment of a Moral and Tolerant Society

* ڈاکٹر سید باچا آغا

** پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی

Abstract

Tasaw'uf(mysticism)is a branch of Islamic knowledge which focuses on the spiritual development of the Muslim. Allah sent His final messenger, Prophet Muhammad, as a source of knowledge for the entire Ummah. He was the model of spirituality for the world. His God-consciousness, deep spirituality, acts of worship, and love for Allah were preserved and propagated by an Islamic science called Tasaw'uf(mysticism). After the Prophet (SAW), the scholars carried different branches of knowledge. The aim of the scholars of Tasaw'uf(mysticism)was purification of the heart, and development of consciousness of Allah through submission to the Shariā and Sunnah. The Sofiy'ā have role model to keep the society peaceful. In this paper will be discussed about the role of Tasaw'uf(mysticism) and Sofiy'ā In the establishment of a moral and tolerant society.

Keywords: Holy Qur'ān, Holy Prophet (SAW), Tasaw'uf(mysticism), Sofiy'ā, Tolerance.

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، سریاب روڈ، کوئٹہ

**ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ ہیومینیٹیز، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

تمہید

اخلاق اور رواداری وہ چیزیں ہیں جن کی ضرورت ہر معاشرے کے لئے ہمیشہ بطور خاص اہم رہی ہیں لیکن دور حاضر کی ایک برائی یہ ہے کہ اس دور کے انسان میں تحمل وبرداشت نہیں، ہم دوسروں کی کوتاہی پر گرفت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن اپنی بڑی سے بڑی کوتاہی کو بھی نظر میں نہیں لاتے۔ دوسروں کو برا بھلا کہنا ہم اپنا حق سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا شخص ہمیں ایسی بات کہہ دے جو ہمیں ناپسند ہو خواہ وہ کتنی ہی سچی اور حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو ، ہم سیخ پا ہو جاتے ہیں اور مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں، تصوف ہمیں تحمل وبرداشت کی تعلیم دیتا ہے جس کی بدولت ہم دوسروں کی دی ہوئی اذیت کو برداشت کر سکتے ہیں اور یوں ایک اچھی اور مضبوط شخصیت کے مالک بن سکتے ہیں۔

دور حاضر کی ایک بہت بڑی برائی لسانی، نسلی اور مذہبی تعصب ہے۔ اسی کے زیر اثر قتل وغارت اور دہشت گردی جیسی برائیاں آج کے معاشرے میں ہیں جن سے ہر اہل دل دکھی ہے۔ صوفیائے صادق نے ہر قسم کے تعصبات کو ختم کر کے انسان دوستی کا سبق دیا ہے، صوفیائے کرام عقیدے، زبان یا زمین کی بنیاد پر کسی سے تعصب نہیں رکھتے، وہ تعصب اور تنگ نظری کو قبول نہیں کرتے، ان کا رویہ اسلام کی روح کے مطابق ہے کہ اسلام مذہبی معاملات میں رواداری، کشادہ نظری اور کشادہ دلی کا داعی ہے، اسلام انسان دوستی کی دعوت دیتا ہے، اسلام کی نظر میں سارے انسان بھائی بھائی ہیں کہ سب آدم کی اولاد ہیں، سب اس خدا کے بندے ہیں جو رحمن ورحیم ہے۔ خدا کی صفت رحمانیت میں مسلمان، کافر، مشرک اور ملحد سب شریک ہیں یوں خدا کی صفت رحمانیت تمام اہل ایمان کو انسان دوستی کا سبق دیتی ہے ، اسلام نے قومی تفاخر، لسانی تعصب اور نسلی تفریق کو مٹا کر حق پرستوں اور باطل پرستوں یعنی اہل حق اور اہل باطل یعنی اہل خیر اور اہل ظلم کی تفریق قائم رکھی ہے اور یہی تو اصل انسانیت ہے، یہی اسلام کا مفہوم ہے، مقصود ہے، اس لئے اسلام ان سب انسانوں کے دلوں کو مطلوب ہے جو صاحب قلب سلیم ہیں کہ اسلام درحقیقت بنی نوع انسان کے دل کی آواز ہے، اس کے ضمیر کی پکار ہے، اسلام بظاہر تو ایک دین ہے، لیکن معنوی طور پر تمام تر حکمت وصداقت اور اخلاق حسنہ ہے، مخلوق خدا سے شفقت سے پیش آنا، کسی اونچ نیچ کے بغیر تمام انسانوں سے برابری کا سلوک کرنا درحقیقت روح اسلام ہے۔ ذیل میں ہم تصوف اور صوفیاء کے تعارف اور کردار کے روشنی میں رواداری اور اخلاقیات کے قیام کے لئے ادا کئے جانے والے تعلیمات پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

تصوف کا مفہوم اور اس کی حقیقت:

سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

"لوگوں نے اس نام (تصوف) کی تحقیق میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور کتابیں بھی تصنیف کی ہیں.....البتہ لفظ "صفا" ان میں سے نہایت عمدہ اور دلپسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے، صفو سے مراد اشیاء کی خوبی و لطافت ہے اور کدورت سے مراد اشیاء کی کثافت و غلاظت ہے، پس چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق و عادات کو مہذب و شستہ بنا لیتے ہیں اور طبعی عیوب کی آلودگی سے اپنے آپ کو پاک رکھتے ہیں، اس لئے صوفی کہلائے"۔[1]

مرتعش کہتے ہیں "تصوف حسن اخلاق کا نام ہے" ۔اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علی ہجویری اس کی تین صورتیں قرار دیتے ہیں:

1: حسن خلق اللہ کے ساتھ۔ریاکاری کے بغیر اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے۔

2: حسن خلق مخلوق کے ساتھ۔مراد بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت اور ہم جنسوں سے لالچ کے بغیر انصاف کرکے خود ان سے انصاف کا مطالبہ نہ کرے۔

3: حسن خلق اپنی ذات کے ساتھ۔یعنی خواہشات نفسانی اور شیطان کی متابعت نہ کی جائے۔[2]

شیخ ابو عبداللہ ساطیؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اولیاء اللہ کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

"میٹھی زبان، خوش خلقی، خندہ پیشانی، مسکراتا ہوا چہرہ، خوہ مخواہ کسی سے نہ الجھنا، عفو و درگزر کا شیوہ، لوگوں سے ہمدردی.... یہ اعلیٰ اوصاف جن میں پائے جائیں، وہ اولیاء اللہ ہیں"۔[3]

تصوف اسلامی ایسا طرز زیست ہے جس میں قرآن و سنت کی مکمل پیروی ہے اور باطن میں صدق و صفا، عجز و توکل کی آمیزش رہتی ہے، صوفی وہ ہے جو ہمیشہ باعمل و پرکار رہتا ہے، اس کا ایک لمحہ بھی نیک مقاصد اور یاد خدا سے خالی نہیں گزرتا۔[4]

ابن خلدون لکھتے ہیں:

" تصوف کے مقاصد اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادت الٰہی میں جان کھپائے، پوری طرح اللہ کا ہو لے اور دنیا اور دنیا کی لغویات و زخرفات سے بالکل منہ موڑ لے اور عام دنیادار جن چیزوں پر مٹے پڑے ہیں، یعنی لذات دنیویہ، مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے، عبادت کے لئے عزلت نشینی و گوشہ نشینی پسند کرے" ۔[5]

تصوف در حقیقت روحانیت کے اہتمام کا نام ہے، اس تصوف کی بنیاد یہ ہے کہ روحانیت کے ذریعہ سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اور انسان روحانی تربیت سے آراستہ ہو کر خود بھی پر امن ہو جاتا ہے اور اپنے اعمال و کردار سے مخلوق خدا کو بھی امن و امان قائم رکھنے کا درس دیتا ہے۔روحانیت کے اس اہتمام میں کبھی اتنا غلو ہو جاتا ہے کہ صاحب تصوف اپنی جسمانی اور مادی ضرورتوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جب اسلام آیا تو اس نے لوگوں کو روحانی زندگی اور مادی زندگی کے درمیان توازن کی تعلیم دی، اس توازن اور اعتدال کو صحابہ کرامؓ نے بھی قائم رکھا اور آپ کے بعد سلف صالحین نے

بھی یہی روش اختیار کی، اس کے بعد وہ دور آیا جب اللہ نے مسلمانوں کو خوشحالی سے نوازا۔ان میں دولت عام ہوئی، مال ودولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ علم وہنر کا بازار بھی گرم ہوا اور لوگوں کا رجحان علم وعقل کی باتوں کی طرف مائل ہوا ،ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر مختلف فرقے وجود میں آئے ،ایک وہ فرقہ تھا جس نے مال ودولت کو خاص اہمیت دی اور زندگی کے مادی پہلوؤں میں گم ہوگیا، دوسرا فرقہ علم وعقل کے کارناموں میں اتنا محو ہوا کہ ان کی عقلوں نے بعض ایسے علوم کی اختراع کی جو اصل اسلامی تعلیمات سے دور تھے ،مثلاً: علم کلام وغیرہ۔اسی طرح فقہا کرام فقہ شریعت کی بحثوں میں ایسا الجھے کہ انہوں نے دین کے روحانی اور باطنی پہلو کو فراموش کرکے ساری محنت ظاہری اور جسمانی پہلوؤں کی نذر کردی۔

اس معاشرے میں ایسا کوئی نہیں تھا جو روحانی اور باطنی پہلوؤں کی طرف توجہ کرتا اور روحانیت کی تعلیم دیتا،اس خلا کو پر کرنے کے لئے علماء کرام کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جنہوں نے دین کے روحانی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی اور روحانیت کا طریقہ اپنایا،اسی طریقے پر چل کر خود اصلاح کی اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دی، یہ طبقہ صوفیائے کرام کا طبقہ تھا،ان کی تعلیم یہ تھی کہ زہد کے ذریعے سے مادیت سے دامن بچا کر اور اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرکے اپنے آپ کو اللہ کی ناراضی اور جہنم کی آگ سے بچایا جائے،ان کی تعلیم یہ تھی کہ سب سے پہلے انسان اپنے باطن کی اصلاح کرے ،اپنے اندر سے نفسیاتی بیماریوں اور آلائشوں کو دور کرے اور دل کی دنیا کو روحانیت سے آباد کرے ،چنانچہ اس طبقہ کی ساری بھاگ دوڑ روحانیت کی تربیت کے لئے تھی۔[6]

بہر حال تصوف کا مقصد یہ ہے کہ صوفیا کرام اس عمل کے ذریعہ اپنے باطن کی اصلاح کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر سختی سے عمل کریں،جب باطن کی اصلاح ہوجاتی ہے تو انسان ہر قسم کے ظلم وستم گری سے باز آکر امن ومان کا گرویدہ بن جاتا ہے، دنیاوی زندگی کے فتنوں سے حتی الامکان اجتناب، اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں جاگزیں کرکے دل کو نفسیاتی آلائشوں سے پاک کرتا ہے۔

اخلاق :

صوفیہ کی نظر میں تمام مخلوقات خداوند تعالیٰ کی دامن ربوبیت میں پل رہی ہیں ،خواہ سنی ہو ،شیعہ ہو ،ہندو ہو ،عیسائی ہو، یہودی ہو ،کافر ہو ،مشرک ہو ،مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا، گورا ہو یا کالا ،انگریزی بولتا ہو یا اردو یا عربی، صوفی صاف دل سب کو اپنے سینے سے لگالیتا ہے ،اپنے حسن عمل اور حسن اخلاق سے دین مبین کی روح کی تبلیغ کرتا ہے۔ خلق انسان کے اس عادت کا نام ہے جس کا اظہار بلا تکلف ہوتا ہے، مشہور لغوی ابن منظور نے خلق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''خُلق اور خَلق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے، انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے خُلق کہتے ہیں، جس طرح اس کے ظاہری شکل وصورت کو خَلق کہا جاتا ہے''۔ [7]

امام غزالی رحمۃاللہ علیہ نے ''خلق'' کی حسب ذیل تعریف کی ہے۔

''خلق وہ ہیئت راسخہ ہے نفس میں، جس سے کہ افعال بہ آسانی بلا فکر وتامل صادر ہوں، پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوں، جو عقلاً اور شرعاً عمدہ ہیں، تو اس ہیئت کا نام خلق خوب ہے اور اگر اس سے برے افعال صادر ہوں، تو اس ہیئت کا نام خلق بد ہے''۔ [8]

دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے، لیکن اسلام نے اخلاقیات پر جتنا زور دیا ہے دوسرے کسی مذہب میں نہیں دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک جتنے بھی انبیاءؑ اس دنیا میں تشریف لائے، انہوں نے ہمیشہ اچھے اخلاق کی تعلیم دی اور بُرے اخلاق سے اپنی امت کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی، عقائد وعبادات کے بعد تعلیمات اسلامی میں اخلاقیات کا درجہ آتا ہے، بلکہ اخلاق کو بعض لحاظ سے عبادات سے بھی بڑھا دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد میں اخلاقی کوتاہی کی معافی اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اس بندے کے ہاتھ میں رکھی ہے، جس کی حق تلفی کی گئی ہو۔ دلوں کو صرف اخلاق حسنہ سے ہی فتح کیا جاسکتا ہے، کیونکہ نماز اور روزہ سے تو آدمی اس وقت متاثر ہوگا جب وہ کسی کے قریب آئے گا اور قریب لانے والی چیز اخلاق ہے، آپؐ اگرچہ پیغمبر انقلاب بھی ہیں ، لیکن آپؐ نے یہ انقلاب اپنے اخلاق حسنہ سے دنیا میں برپا کیا۔ جس زمانے میں مکہ کی سرزمین باوجود اپنی وسعت کے قریش مکہ کی ستم رانیوں کی وجہ سے آپؐ پر تنگ کردی گئی تھی، اس وقت لوگوں کی اکثریت آپؐ کے اخلاق جمیلہ سے متاثر ہر کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی، ابو سفیان اور اس کی بیوی ہند ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور دوسرے بڑے بڑے رؤساء کفر آپؐ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اخلاق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :

''اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق وفرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لئے مناسب بلکہ ضروری ہے، انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی ہر شیئے سے تھوڑا بہت اس کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اسی تعلق کے فرض کو بحسن وخوبی انجام دینا اخلاق ہے، اس کے اپنے ماں باپ، اہل وعیال، عزیز ورشتہ دار، دوست واحباب، سب سے تعلقات ہیں، بلکہ ہر اس انسان کے ساتھ اس کا تعلق ہے جس سے وہ محلہ، وطن، قومیت، جنسیت یا اور کسی نوع کا علاقہ رکھتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حیوانات تک سے اس کے تعلقات ہیں اور ان تعلقات کے سبب سے اس پر کچھ فرائض عائد ہیں۔ دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی اور امن وامان اسی اخلاق کی دولت سے ہے، اسی دولت کی کمی کو حکومت وجماعت اپنے طاقت وقوت کے قانون سے پورا کرتی ہے، اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاقی فرائض کو پوری

طرح از خود انجام دیں تو حکومتوں کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو، اس لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم کو سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہ دے دنیا کے سارے مذہبوں نے کم وبیش اسی کی کوشش کی ہے اور دنیا کے آخری مذہب اسلام نے بھی یہی کیا ہے"۔[9]

اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں جو دعا مانگتے تھے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا:

واهد نی لاحسن الاخلاق لایهدی لاحسنہا الا انت واصرف عنّی سیّئاتها لایصرف عنّی سیّئاتها الاّ انت [10]

ترجمہ: اور اے میرے خدا: تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور ان کو کوئی نہیں پھیر سکتا، لیکن تو۔

ان الفاظ کی اہمت کا اندازہ اسے ہوگا کہ ایک پیغمبر اپنے تقرب اور استجابت کے بہترین موقع پر بارگاہ الٰہی سے جو چیز مانگتا ہے وہ حسن اخلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور رسول اللہ ﷺ کا قرب حسن اخلاق کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

احبّ عباداللہ الی اللہ احسنہم خلقاً [11]

ترجمہ: اللہ کے بندوں میں سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے جہاں اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا وہاں بنیادی اصول بھی مہیا فرمائے، وہ اصول جن کی بنیاد پر اخلاق کے حسن وقبح کا فیصلہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ آپؐ نے وابصہ بن معبدؓ کے سوال پر انہیں گناہ کی حقیقت اور معصیت کا فلسفہ بڑے سادہ اور عام فہم انداز میں سمجھا دیا:

"اے وابصہؓ! اپنے دل سے پوچھا کر اور اپنے نفس سے رائے لیا کر، نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو ادھیڑ بن میں ڈالے، اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں"۔[12]

قلب کی یہ صلاحیت اور باطن کی یہ آواز انسانی کردار پر اپنا اثر ڈالتی رہتی ہے، لیکن انسان اگر اس کی حفاظت نہ کرے تو یہ آواز مدھم ہو سکتی ہے اور یہ صلاحیت مٹ سکتی ہے، اسے زندہ رکھنے یا مٹانے میں انسان کا انفرادی ارادہ بہت اہمیت رکھتا ہے، گو معاشرتی ماحول اور اجتماعی احوال بھی مثبت ومنفی تاثیرات رکھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اس صلاحیت کی بقاء وضیاع کو ایک پر حکمت طریقے سے سمجھایا ہے:

"بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر اس نے پھر اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا اور خدا سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو داغ بڑھ جاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے"۔[13]

معلم اخلاقؐ کی یہ تعبیر حیات انسانی کے دینی تجربوں میں منفرد حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ عام طور پر گناہ کے تاریک اثرات کو زائل کرنے اور فطری صلاحیت کو برقرار رکھنے کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ آپؐ کی تعبیر نے جہاں گناہ کی سیاسی اور اس کے تخریبی اثرات کا ذکر کیا، وہاں اس سے بچنے اور روح کو زندہ و بالیدہ رکھنے اور باطنی شخصیت کو مجتمع رکھنے کے لئے نسخہ بھی تجویز فرمایا جو اس وقت منفرد علاج کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہے توبہ ورجوع الی اللہ۔ اس طاقتور دوا کے ساتھ باطن کی تمام کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان کا من اجلا، نکھرا، ستھرا رہتا ہے۔[14]

انسانی اوصاف کو خصوصی تربیت سے ایک خاص نہج پر منظم و مستحکم کیا جاسکتا ہے، انسانی معاشروں میں انبیاء و مصلحین کا یہی تعلیمی و تربیتی کردار رہا ہے، جس نے اچھے افراد، صالح جماعتیں اور پر امن و پاکیزہ معاشرے پیدا کئے۔ انسانی کمالات کے عمدہ معیار یہی نفوس قدسیہ ہیں جن کے مطابق ہر دور میں عمدہ نمونے ڈھلتے رہے ہیں۔ دنیا میں محاسن اخلاق کا جو بھی سرمایہ ہے وہ صرف انہی مقدس ہستیوں کی وجہ سے ہے جو حسن اخلاق اور کمالات انسانی کا اعلیٰ پیکر تھے، انبیاء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے ایک خاص مقصد کے لئے تیار کیا، ان حضرات کی حیثیت تلامیذ الرحمن کی ہے جو فیوضات الٰہیہ سے مستفیض ہو کر انسانیت کے لئے نمونہ کمال اور پیکر امن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر نبی و رسول نے اپنے دور میں اخلاق انسانی کے اعلیٰ معیارات قائم کر کے انسانیت کے لئے روشنی کا سامان مہیا کیا۔ انسانی افراد اور معاشروں پر بے شمار لوگ اثر انداز ہوتے ہیں اور انسان کی اثر پذیری کی وجہ سے اوصاف و اعمال کے لاتعداد نمونے تشکیل پاتے رہتے ہیں، لیکن جو حیثیت انبیاء کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہ آسکی۔ انبیاء کی پیروی میں اللہ کے صالح بندوں نے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کا سلسلہ جاری رکھا جس سے خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچا اور جن لوگوں نے ان صلحاء کا دامن تھامے رکھا وہ معاشرے میں امن و امان اور سکون کے نمونہ رہے۔

صوفیاء اخلاق فاضلہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، شیخ ابو محمد جریریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ تصوف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تصوف ہر اعلیٰ خلق کو اپنانے اور اخلاق رذیلہ کو ترک کر دینے کا نام ہے، حضرت ابن عطاء نے اپنے مریدوں سے پوچھا کہ بندوں کے مراتب کس چیز سے بلند ہوتے ہیں؟ کسی نے جواب دیا صائم الدھر رہنے سے، کسی نے کہا کہ نماز میں مشغول رہنے سے، کسی نے جواب دیا مسلسل مجاہدہ کرنے سے، کسی نے کہا خیرات و صدقات دینے سے، آپ نے فرمایا صرف اسی کو بلند مراتب حاصل ہوتے ہیں جس کے اخلاق عمدہ ہوں، مشائخ کا قول ہے التصوف کلہ خلق یعنی تصوف تمام تر اخلاق ہے، اور حقیقت میں تصوف کا کمال یہی ہے کہ تصوف کی روش اختیار کرنے سے انسان میں تمام اخلاق

پسندیدہ موجود اور اخلاق ناپسندیدہ معدوم ہو جاتے ہیں، صوفیہ کا قول ہے کہ عوام عبادات اور ریاضات بہت زیادہ کرتے ہیں اور خواص اپنے اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں، کیونکہ بے خوابی اور بھوک کی سختی برداشت کرنا برے اخلاق میں نفس کی مخالفت کرنے سے آسان ہوتا ہے۔

ایک صوفی عزالدین نسفیؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو عزیز رکھو تا کہ چھوٹے اور بڑے تمہیں بھی عزیز رکھیں، دوست اور دشمن کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ تا کہ دوست تو زیادہ دوست بنے اور دشمن زیادہ دشمن نہ ہو، بلکہ دوست بن جائے، دوسروں کی باتوں کو برداشت کرنا دوسروں کے ساتھ انکسار سے پیش آنا، سب کی عزت کرنا اور سب پر شفقت رکھنا انبیاء اور اولیاء کا اخلاق ہے، جسے وہ یوں فرماتے ہیں کہ " تحمل از ہمہ، تواضع باہمہ، عزت داشت ہمہ وشفقت بر ہمہ اخلاق انبیاء واولیاء است"(سب کے ساتھ درگذر سے کام لینا، سب سے عاجزی سے ملنا، سب سے عزت وشفقت سے پیش آنا انبیاء اور اولیاء کا اخلاق ہے) شمس تبریز فرماتے ہیں کہ اگر دوزخ سے رہائی چاہتے ہو تو خدمت خلق کرو، اگر جنت حاصل کرنا چاہتے ہو تو عبادت حق کرو۔[15]

رواداری:

رواداری کے لغوی معنی تحمل اور برداشت کے ہیں، جبکہ اصلاحی مفہوم میں رواداری کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ:

"فکری واعتقادی، رنگ ونسل اور زبان ووطن کی بنیاد پر کسی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر تحمل وبردباری سے دوسرے کو برداشت کرنا رواداری ہے" ۔

اسی طرح دینی رواداری سے مراد ہے کہ مذہب سے متعلق جو مختلف آراء اور نظریات ہیں، ان کا احترام کیا جائے، مذہبی، دینی یا معاشرتی معاملات میں دوسروں کے ساتھ فراخ دلی اور وسیع الخیالی کا برتاؤ، کسی دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنا، رعایت کا رویہ، تحمل، وضعداری کا اظہار، ہر کس وناکس سے یکساں برتاؤ اور نرمی کا سلوک وغیرہ ۔ جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے رواداری کا مطلب ہے، مختلف اقوام، مختلف مذاہب، مختلف زبانوں اور رنگ ونسل کے وہ لوگ جو اسلامی حکومت کی حدود میں قیام پذیر ہوں، ان کے ساتھ تعلقات اس طرز اور نہج پر استوار کرنا کہ عفو ودرگزر سے کام لیا جائے اور قدرت اور دسترس کے باوجود اپنے مخالف کی بات کو برداشت کیا جائے۔ صوفیاء کرام نے اپنے کردار سے معاشرے کے لئے اس سلسلے میں جتنا وافر حصہ فراہم کیا ہے شاید اس کا مثال پیش نہ کیا جاسکتا ہو۔ صوفیاء کرام نے اپنے فراخ دلی اور وسیع الخیالی کے سبب امن وسکون، برداشت، رعایت، تحمل، وضعداری، ہر ایک سے یکساں برتاؤ اور نرمی اپنا کر امن وامان کا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

رواداری کی بناء پر معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ ایک مسلمان دوسروں کے ساتھ معاملات میں ان کا روادار ہوتا ہے، دوسروں کی زیادتی وسختی پر صبر ونرمی اختیار کرتا ہے، صلح جوئی اس کی محبوب خصلت

ہے، بالفاظ دیگر رواداری، صبر، حلم، عفو و درگزر، فیاضی اور ایثار کے خواص سے آراستہ ہے، قرآن وحدیث ہمیں ایسے ہی خواص کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

1: وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔[16]

ترجمہ: اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے اور اللہ نیکوں کاروں کو پسند کرتا ہے"۔

2: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔[17]

ترجمہ: عفو و درگزر کو اختیار کر، نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر"

3: وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔[18]

ترجمہ: اور وہ شخص جس نے صبر کیا اور معاف کردیا، یقیناً یہ بات ہمت کے کاموں سے ہے"

قرآنی آیات کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے عمل و قول سے بھی رواداری اور وسعت نظر کی ترغیب ملتی ہے، مثلاً:

1: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

وَماَ انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فِىْ شَىْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَکَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى ۔[19]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کسی معاملے میں کبھی انتقام نہیں لیا، مگر یہ کہ اللہ کی حرمت کو توڑا (محرمات کا ارتکاب کیا) جارہا ہو، تو اللہ کے لئے آپ ﷺ انتقام لیتے (اس کے مرتکب کو سزا دیتے اور مواخذہ فرماتے)

2: عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :اَنَّ أَعْرَابِيّاً بَالَ فِى الْمَسْجِدِ فثَارَالَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوْا بِهٖ ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعُوْهُ وَاَهْرِيْقُوْ ا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلاً مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَنُوْباً مِنْ مَاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ-[20]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا، پس لوگ اس کی طرف اٹھے، تاکہ اسے زود کوب کریں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو، اس لئے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے"

اسلام جہاں ایک مسلمان کو یہ حکم دیتا ہے، کہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ رواداری کا معاملہ کریں، اسی طرح وہ مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دیتا ہے، کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ انسانیت کا سلوک کریں، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں ،ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی ہر طرح حفاظت کریں، انہیں ہر طرح کی مذہبی، سماجی آزادی دیں۔ غرض ان کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَاالسَّيِّءَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَ الَّذِىْ بَيْنَکَ وَبَيْنَهٗ عَدٰوَةٌ کَاَنَّهٗ وَ لِىٌّ حَمِيْمٌ۔[21]

ترجمہ: نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی، برائی کو ایسے طریقے سے ٹال، جو اچھا ہو، تب وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہو، ایسے ہو جائے گا گویا کہ وہ تیرا گہرا دوست ہے"

اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔[22]

ترجمہ: اگر تم مقرر ہو تو ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو"۔

اسی طرح اگر غیر اقوام بلاوجہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہوں، تو ان پر اتنی ہی سختی کرنے کا حکم ہے، جتنی وہ مسلمانوں پر کرتے ہیں۔ غرض غیر اقوام کے ساتھ ممکنہ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت صرف اسلام میں ملتی ہے۔

اسلام کی رواداری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے، کہ دیگر مذاہب کے پیشواؤں کو، ان کی خود نوشتہ کتابوں کو، ان کے جھوٹے خداؤں کو بھی برا کہنے سے منع کیا ہے، تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہونے پائے، ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَسُبُّو االَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔[23]

ترجمہ: اور دشنام مت دو ان کو، جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں"

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جو اپنی طرف محض اس لئے بلاتا ہے، کہ وہ دین حق ہے اور اس سچے مذہب کے اختیار کرنے ہی سے دنیا و دین درست ہو سکتے ہیں، اس جذبہ تبلیغ میں صوفیاء کرام نے اپنا جو کردار ادا کیا ہے اس میں کوئی خود غرضی نہیں ہے، بلکہ لوگوں کو برائی سے بچانا اور ہدایت کا راستہ بتانا مقصود ہے، تاکہ بنی نوع انسان صراط مستقیم پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ صوفیاء کرام کے سوا انسانیت کی اس قدر بہی خواہی اور رواداری کی تعلیم شاید ہی کسی اور نے اس وسیع نہج پر انجام دی ہو۔

اسلام نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری اپنانے اور ان کو تحفظ فراہم کرنے کا درس دیا ہے۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ معاملات میں ہمارا رویہ رواداری پر مبنی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بداخلاقی اور ظلم و زیادتی کی تعلیم نہیں دیتا، خواہ معاملہ کافروں کے ساتھ ہو، ارشاد خداوندی ہے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لاتعدلو اعدلو ھو اقرب للتقویٰ۔[24]

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم عدل وانصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے"

اسلام کی نظر میں غیر مسلموں کی دو قسمیں ہیں:

1: جن کا دین آسمانی ہے اور جنہیں اہل کتاب کہا جاتا ہے مثلاً یہودی اور عیسائی۔

2: جن کا دین خود ان کا وضع کردہ ہے، مثلاً ہندو، مجوسی وغیرہ۔

اسلامی شریعت میں دوسری قسم کے غیر مسلموں کے مقابلے میں پہلی قسم کے غیر مسلموں کا معاملہ قدرے مختلف ہے چنانچہ اسلام نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا ہے اور ان کی عورتوں سے شادی جائز قرار دی ہے۔[25]

ایک دوسرے زاویہ سے غیر مسلموں کی دو قسمیں ہیں۔

1: ایک وہ جو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا دشمنی رکھتے ہیں اور انہیں تباہ و برباد کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

2: دوسرے وہ جو غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں سے کوئی بیر نہیں رکھتے اور نہ انہیں نقصان پہنچانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی موالات، دوستی، ہمدردی اور میل ملاپ سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ان لوگوں کو ہمارا وجود برداشت نہیں ہے، جبکہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیں حسن سلوک اور عدل وانصاف پر مبنی معاملہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے[26] کیونکہ ان کا سلوک بھی ہمارے ساتھ معاندانہ نہیں، بلکہ دوستانہ ہے۔

مندرجہ بالا وہ رعایتیں اور رواداریاں ہیں جو غیر مسلم اقلیت کو قانوناً حاصل ہیں۔ان کے علاوہ بعض ایسی رواداریاں بھی ہیں جو قانون کے دائرے میں نہیں آتی ہیں، بلکہ حسن اخلاق کے زمرے میں آتی ہیں، اور جنہیں اختیار کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، مثلاً ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمارا سلوک اور برتاؤ حسن اخلاق وحسن معاشرت پر مبنی ہونا چاہیے۔ جیسا کہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں قحط کی صورت پیدا ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے مکہ کے غریب مشرکین کی مدد کے لئے مالی امداد روانہ کی، حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ مکہ والوں نے حضور ﷺ کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا تھا۔[27] بخاری کی روایت ہے کہ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میری والدہ تشریف لائیں اور وہ مشرک تھیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری والدہ آئی ہوئی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے جواب دیا! ہاں ضرور کرو۔[28]

حضور ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرنے والا شخص یہ خوب جانتا ہے کہ حضور ﷺ اہل کتاب اور مشرکین کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتے تھے، ان کے پاس تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت کرتے، حتی المقدور ان کی مدد کرتے اور ان کے بیماروں کی تیمارداری کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اِتَّقُوا دعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ وَان کان کَافِراً فَاِنَّھالَیْسَ دُوْنَھَا حِجَابٌ ۔[29]

ترجمہ: مظلوم خواہ کافر ہو اس کی پکار سے بچو، کیونکہ اس کی پکار کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے "(اس کی پکار فوراً خدا تک پہنچتی ہے(

ابن اسحاق کی سیرت نبوی میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ نجران سے ایک عیسائی وفد حضور ﷺ کی ملاقات کی غرض سے مدینہ آیا۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس وقت عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اسی درمیان میں عیسائیوں کی عبادت کا وقت ہو گیا، چنانچہ وہ عیسائی مسجد نبوی کے اندر اپنی عبادت ادا کرنے لگے، صحابہ کرامؓ نے انہیں روکنے کے لئے آگے بڑھے، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں عبادت کرنے دو، چنانچہ مسجد نبوی کے اندر ان عیسائیوں نے اپنی عبادت ادا کی۔[30] بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک بیمار یہودی کی عیادت کو تشریف لے گئے اور باتوں باتوں میں اسے اسلام قبول کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ اس حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اس یہودی نے اسلام قبول کیا[31]۔ بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گھر کے اخراجات کے لئے کسی یہودی سے قرض لیا اور رہن کے طور اپنی زرہ اس کے پاس رکھ دی،[32] اور اسی حالت میں حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ چاہتے تو کسی صحابیؓ سے قرض لے سکتے تھے، سارے صحابہ کرامؓ اپنا سب کچھ حضور ﷺ پر قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے یہودی سے قرض لے کر اس بات کی تعلیم دی ہے کہ مشرکین واہل کتاب کے ساتھ بھی ہمارا معاملہ ویسا ہی ہونا چاہیے، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ معتبر روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے غیر مسلموں کے ہدیے اور تحائف بھی قبول کئے ہیں۔[33] یہ ہیں قرآن وحدیث کی چند دلیلیں جو ثابت کرتی ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمارا سلوک حسن اخلاق، حسن معاشرت اور رواداری پر مبنی ہونا چاہیے۔

صوفیاء کی نظر میں تمام مخلوقات خداوند تعالی کی دامن ربوبیت میں پل رہی ہیں، خواہ سنی ہو، شیعہ ہو، ہندو ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو، کافر ہو، مشرک ہو، مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا، گورا ہو یا کالا، انگریزی بولتا ہو یا اردو یا عربی صوفی صاف دل سب کو اپنے سینے سے لگالیتا ہے، اپنے حسن عمل اور حسن اخلاق سے دین مبین کی روح کی تبلیغ کرتا ہے، یعنی احسان وایثار، بھلائی اور برابری کی تلقین کرتا ہے، بدکاروں کو نیکوکاری کی دنیا میں واپس لانے، دکھی انسانوں کو سکھ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، انسانیت کی راہ سے بھٹکے ہوؤں کو شفقت ومحبت سے انسانیت کی راہ دکھاتا ہے اور اچھا انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جدید دور کے معاشرتی تقاضوں اور ہنگاموں میں گھرا ہوا انسان عام طور پر خود کو ، خدا کو اور انسانیت کو بھلا چکا ہے، سو سکون قلب اور طمانیت روح سے محروم ہوتا جارہا ہے، تصوف اس انسان کا کام آسکتا ہے، اس دنیا کے ہنگاموں8 میں مصروف انسان کو بھی سکون وطمانیت قلب کی دولت سے مالامال کر سکتا ہے۔ کسی اہل دل نے اسی حوالے سے یوں کہا ہے کہ ہر شخص کو تھوڑا بہت صوفی ہونا چاہیے، یعنی دنیاداری یا محبت دنیا سے اس کا دل پاک ہو اور صوفی کو بھی تھوڑا بہت انسان ہونا چاہئے، یعنی وہ دنیا والوں کے کام آتا ہو، معاشی طور پر کسی پر بوجھ نہ بنتا ہو، معاشرے کا مفید فرد ہو، ایسا معاشرہ جہاں خدا پرستی، بے تعصبی، انسان دوستی، خدمت خلق

اور احسان وایثار کے جذبے کار فرما ہوں گے، جہاں دین ودانش، علم وعرفان اور ذکر وفکر کو یکساں اہمیت دی جاتی ہو گی ،وہ معاشرہ سچے صوفیہ ہی کا ہو سکتا ہے اور ایسا معاشرہ دور حاضر اور آنے والی صدیوں کی ضرورت ہے۔[34]

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اس نے انسانوں کی غلامی سے آزاد کرا کر امن وامان کو ممکن بنایا، اسلام تو وہ مذہب ہے جس نے عرب کے پر تشدد ماحول کو امن کا گہوارہ بنایا، عربوں میں جنگیں معمولی باتوں پر شروع ہو کر نسلوں تک چلا کرتی تھیں، لیکن اسلام نے یہ لڑائیاں ختم کرادیں،اس کے برعکس ان دنوں عیسائیت قیصر روم کی شکل میں فارس سے بر سرپیکار تھی اور لڑنا لڑانا اس کا طرہ امتیاز تھا،تاریخ میں صلیبی جنگوں کے مذہبی نام پر عیسائیوں نے مسلمانوں کا کتنا خون بہایا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ،بلکہ اب بھی ان کی طرف سے عالم اسلام ،مسلمانوں اور مظلوم قوموں پر ظلم وستم اور ناانصافی کا سلسلہ جاری ہے۔بینیڈکٹ ۱۶ کے گزشتہ دنوں کی ہرزہ سرائی سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ امریکی ویورپی دانشوروں اور مذہبی رہنماؤں کی طرف سے مذہبی انتہاپسندی کا خاتمہ ،مذہبی رواداری اور تمام مذاہب کے احترام کو فروغ دینے کے نعروں کی کوئی حقیقت نہیں ہے ، یہ آوازیں بلند کرنے والے خود اس پر عمل نہیں پیرا نہیں، یہ صرف زبانی کلامی رواداری کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں اور عملاً فلسطین ، لبنان ، صومالیہ ، بوسنیا ،کوسوو،افغانستان ، عراق بلکہ پورے عالم اسلام میں وہ کچھ کر رہے ہیں جو اس میں خلیج پیدا کرنے کا سبب ہے ،یہی وجہ ہے آئے دن مذہبی انتہاپسندی اور تعصب میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ہم سمجھتے ہیں مذہبی رواداری کا فروغ اور تمام مذاہب کا احترام ہونا چاہئے ،یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب دہشت گردی کو کسی بھی مذہب ، قومیت ، تہذیب اور معاشرے سے نہ جوڑا جائے ، کیونکہ دہشت گردی کی آڑ میں کسی ملک ،مذہب ،جماعت اور علاقے پر طاقت کا اندھا استعمال خطرناک نتائج کو جنم دیتا ہے۔[35]

خلاصۃ البحث

قرآن وحدیث اور صوفیاء کی مذکورہ بالا تعلیمات سے واضح ہوا کہ اسلام ایک غیر متعصب دین اور رواداری کا مذہب ہے ،جبکہ دوسری طرف اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے ، مگر انہوں نے ہوشیاری اور عیاری کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لئے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نااہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ گزشتہ چند سالوں سے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک رواداری کا ڈھونڈورا پیٹ رہا ہے کہ ان کے ہاں ہر شخص کو مذہب کی آزادی ہے ،وہ جیسے چاہے کرے لیکن جب مغربی ممالک میں رہائش پذیر مسلمان اپنے مذہبی شعائر پر پابندی کرتے ہیں ،تو ان کے خلاف نت نئے قوانین وضع کئے جاتے ہیں، اگر کوئی قانون مسلمانوں کے حق میں جاتا ہے تو اس میں ترمیم کی جاتی ہے ، گزشتہ دنوں کی رپورٹ ہے کہ کینڈا کی حکومت نے باپردہ مسلمان خواتین

کووٹ کی اجازت نہ دینے کا بل منظوری کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کیا، اسی طرح مغربی ممالک میں آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان خواتین کو صرف حجاب پہننے کی بنا پر ملازمتوں سے معطل کیا جاتا ہے، آئے دن مسلمانوں کی محترم ترین ہستیوں کے خلاف توہین آمیز خاکے شائع کرکے ان کے جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے، امریکہ میں مذہبی آزادی ہی کو دیکھئے، ایک طرف دنیا بھر میں عیسائیت کی ترویج کے لئے مشنری تنظیموں کو اربوں ڈالرز فراہم کئے جاتے ہیں، دوسری طرف اگر کوئی مالدار شخص کسی مدرسے کی سرپرستی کرے تو وہ رواداری کا دشمن قرار دیا جاتا ہے ،اس کی انکوائریاں شروع ہو جاتی ہیں ،اس کا رشتہ ناتہ مبینہ دہشت گردی سے جوڑا جاتا ہے ، یہ کیسی ناانصافی ہے ؟ اگر کوئی "ہولوکاسٹ" پر لکھے یا بولے تو وہ قابل گرفت ہے، لیکن اگر کوئی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی معزز ترین ہستیوں کے بارے میں شر انگیزی کرے تو اس کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ اگر عیسائی، عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک ارب کے قریب ویب سائٹس استعمال کرتے ہوں تو اچھا ہے، لیکن اگر مسلمان چند ہزار ویب سائٹس اسلام کی دعوت کے لئے استعمال کریں، تو ان کو بین کردیا جاتا ہے، عالمی طاقتوں کا یہی دہرا معیار ہے جو ان کے رواداری کے دعوؤں کی قلعی کھول رہا ہے ۔اگر بہ نظر دقیق دیکھا جائے تو اس میں یہ مسلمانوں کی اپنی کمزوری نمایاں ہیں وہ اس وجہ سے کہ مسلمان خود قرآن وحدیث کے احکامات اور صوفیاء کرام کے تعلق سے روگردان ہیں، مسلمانوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اسلامی احکامات پر کماحقہ عمل درآمد کریں اور اللہ کے نیکوکار بندے اولیاء اللہ و صوفیائے کرام سے اپنا تعلق مضبوط کریں تاکہ دنیاء کے مصیبتوں سے خلاصی ممکن ہو۔اسی لئے تو ارشاد ربانی ہے کہ :

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔[36]

ترجمہ: یادرکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگیں ہونگے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] سید علی ہجویری، گنج مطلوب، اردو ترجمہ کشف المحجوب (مترجم عبدالحمید) لاہور، ناشران قرآن، ص، 74

[2] ایضاً، ص 89-90

[3] دارشکوہ، سفینۃ الاولیاء، بحوالہ انعام الحق کوثر، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، 1976ء، ص 19

[4] سلطان الطاف علی، مختصر تاریخ تصوف اور صوفیائے بلوچستان، لاہور، الفیصل، 2011ء، ص 12

[5] عبدالرحمن ابن خلدون، مقدمہ، ترجمہ سعد حسن خان، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ص، 446

[6] ڈاکٹر یوسف القرضاوی، فتاوی، (اردو ترجمہ) مترجم، سید اصغر فلاحی، لاہور، دارالنوادر، 2005ء، ج 1، ص 354-356

[7]ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین الافریقی، لسان العرب، بیروت، دار صادر، ج10، ص86-87

[8]امام غزالی، مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین، ج3، ص59

[9]سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، کراچی، دار الاشاعت، 1985ء، ج9، ص6

[10]مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرہا، باب صلوۃ النبی ﷺ ودعاء باللیل

[11]الھندی، علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین، کنزالعمال، فی سنن الاقوال والافعال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، کتاب الاخلاق، 3:3

[12] الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن، السنن، کتاب البیوع، باب دع ما یریبک الی مالا یریبک

[13] السنن للترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ المطففین

[14]خالد علوی، خلق عظیم، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، 2005ء، ص30

[15]ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، تصوف، ہر انسان کی ضرورت، تخلیقات، لاہور، 2010ء، ص10-13

[16]آل عمران 134:3

[17]الاعراف، 199:7

[18]الشوری 43:42

[19] الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ

[20] ایضاً، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسّروا ولا تعسّروا

[21]فصلت 34:41

[22]المائدۃ 42:5

[23]الانعام 108:6

[24]المائدہ 8:5

[25]المائدہ 5:5

[26]الممتحنۃ 60:8-9

[27]سید فضل الرحمٰن، ہادی اعظم، کراچی، زوار اکیڈمی، 2000ء، ج1، ص605

[28] الصحیح للبخاری، کتاب الھبۃ، باب الھدیۃ للمشرکین

[29]المناوی، محمد عبدالرؤف، شرح فیض القدیر، شرح جامع الصغیر للسیوطی، بیروت، دار الفکر، 1972ء، ج1، ص142

[30]ابو محمد عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، کوئٹہ، مکتبہ معروفیہ، 2010ء، ج1، ص339

[31] الصحیح للبخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ

[32] ایضاً، کتاب الرہن، باب من رہن درعہ

[33] ایضاً، کتاب الھبۃ والتحریض علیھا، باب قبول الھدیۃ من المشرکین

[34]ظہیر احمد صدیقی، تصوف، ہر انسان کی ضرورت، ص50-58

[35]انور غازی، رواداری کون، روزنامہ جنگ، کوئٹہ، 20 ستمبر، 2011ء، ص6

[36] یونس 62:10